رجسٹرڈ نمبر آصفیہ (۱۸۰)

فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن

ہفتہ وار

مملکت

ایڈیٹر

میر حسن الدین بی اے، ال ال بی (عثمانیہ)

رجسٹرڈ نمبر آصفیہ (۱۸۰)

شرح چندہ
سالانہ ... ...
شش ماہی ... ...

شرح چندہ
سالانہ ... ...
شش ماہی ... ...

قیمت فی پرچہ (۲؍)

قیمت پرانا پرچہ (۴؍)

جلد (۹) | ۲۴ خورداد ۱۳۵۸ ف | ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۶۸ | ۲۴ اپریل ۱۹۴۹ء روز یکشنبہ | نمبر (۳)

ہماری پبلک زندگی اور معاشرت میں

اخلاقی اقدار کی اہمیت

ہندوستان کے گورنر جنرل اور کانگریس کے صدر دونوں نے پبلک زندگی میں اخلاقی اقدار کو برقرار رکھنے کی نسبت تقریریں کی ہیں۔ راجگوپال چاری نے ونادمیں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہماری نئی حاصل شدہ آزادی کو شخصی منفعت کے لئے استعمال نہ کرنا چاہئے۔ ہمیں اپنے وطن کی عظمت اور فلاح کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ یہی چیز خود غرضیوں کو روک سکتی اور اشتراک عمل کی اسپرٹ پیدا کر کے جمہوریت کا راستہ ہموار کر سکتی ہے۔ ایک بیان میں ڈاکٹر پٹابھی سیتارامیا کہتے ہیں کہ ہمارا اولین فرض یہ ہے کہ سماج میں اخلاقی اقدار کو برقرار رکھیں ہمیں محسوس کرنا چاہئے کہ یہ اعلیٰ حب الوطنی کی نفی ہے جب وطن ہی ایک انسان کو پستی سے نکال کر بلندی پر لے جاتا ہے۔

اخلاقی اقدار پر اس سے بھی کئی بار زور دیا گیا ہے۔ خود ڈاکٹر پٹابھی نے بتایا ہے کہ ہماری پبلک زندگی میں جو ابتری پیدا ہو رہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ پبلک اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں آگیا جو صرف تنقید اور شورش کے عادی تھے تجربہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اقتدار سے خرابی اور ابتری پیدا ہوتی ہے۔ لیکن عجب بات ہے کہ اس خرابی کو دور کرنے کے لئے حب الوطنی کی تلقین کی جارہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس مرض کا یہ علاج صحیح ہے۔ یہ علاج ہے یا خود ایک مرض ہے؟ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ قومی احیا کے لئے شائستگی اور تہذیب کی ترقی ضروری ہے۔ جس سماج میں یہ چیزیں مفقود ہیں وہاں حکومت چلانا بھی مشکل ہے۔ ایک سماج جس کا اخلاقی احساس پست ہو وہ تہذیب و تمدن کی سطح سے گر جاتا ہے۔ عظیم الشان ماضی مستقبل کی عظمت کی ضمانت نہیں دے سکتا۔ سوال یہ ہے کہ کیا قومیت کی بنیاد پر اخلاقی اقدار کو برقرار رکھا جا سکتا ہے؟ قومیت یا حب الوطنی ایک ایسا جذبہ ہے جو ایک خطۂ زمین کی پرستش سے وابستہ ہوتا ہے کہا جاتا ہے کہ اس جذبہ سے یکجہتی اتفاق اور ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ قومیت کی مخالفت گویا ان تمام اچھے صفات کی مخالفت ہے۔ حب وطن سب سے بڑی فضیلت ہے۔ ڈاکٹر پٹابھی کے استدلال کی بنیاد یہی ہے۔ اس استدلال میں ایک مغالطہ بھی ہے۔ قومیت میں ایک فرد اپنی ہی قوم کے فرد سے محبت کرتا ہے۔ اس محبت اور اتفاق کی بنیاد قومیت ہے انسانیت نہیں۔ قومیت میں ایک انسان دوسرے انسان سے محض انسان ہونے کی حیثیت سے محبت نہیں کرتا بلکہ اس لئے محبت کرتا ہے کہ وہ ایک خاص گروہ ایک خاص خطۂ ارضی سے تعلق رکھتا ہے۔

کسی قوم کی اخلاقی زندگی پر اس وقت برا اثر پڑتا ہے جبکہ افراد قوم کے اعمال کو جانچنے کے لئے دو معیار استعمال کئے جاتے ہیں۔ ایک فعل جو اور طرح پر مذموم ہو اگر قوم کی خاطر کیا جائے تو مستحسن سمجھا جاتا ہے۔ حب الوطنی نیکیوں کا سرچشمہ بننے کے بجائے بعض اوقات تمام برائیوں کا ماخذ بن جاتی ہے۔ قوم پرستی یا حب الوطنی میں ہم دوسری قوم کے افراد سے محبت نہیں کرتے ہم اپنی جماعت یا گروہ کے مفاد کے لئے دوسری جماعتوں یا گروہوں کے مفاد کو قربان کر دیتے ہیں۔ دنیا کو نجات دلانے کا ادعا، قومی مفاد کی حفاظت کے لئے اسلحہ استعمال کرنے کا حق، ایک برتر نسل کا تصور وغیرہ اسی قومی تصور کے پیداوار ہیں۔ ان سیاسی نعروں سے دنیا کو جو اخلاقی نقصان پہنچتا ہے اس کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ پبلک زندگی میں اخلاقی اقدار کو بحال رکھنے کا سوال صرف ہندوستان تک محدود نہیں ہے۔ اخلاقی ابتری ساری قوموں اور ملکوں میں سرایت کر گئی ہے۔ اگر اقوام عالم نے اس اخلاقی ابتری کو محسوس کر کے پستی سے نکلنے کا راستہ تلاش نہ کریں گے تو انسان تباہی کا شکار ہو جائے گا۔ ان قوموں میں اخلاقی اقدار کی اہمیت کو ذہن نشین کرانے کے لئے ضروری ہے کہ ان ذہنیت اور نقطۂ نظر میں تبدیلی پیدا کی جائے۔ ایسی تبدیلی حب الوطنی اور قوم پرستی کے تنگ دائرہ سے مطابقت نہیں رکھ سکتی۔

راجگوپال چاری کا یہ کہنا کہ ملک کی عظمت سے محبت اور اس کی فلاح و بہبود کا خیال خود غرضیوں کو دبا دیتا ہے اس نظریہ کو مستلزم ہے کہ انسان خود بدی کی طرف مائل رہتا ہے تاوقتیکہ باہر سے اس پر اخلاقی فرائض عائد نہ کئے جائیں۔ یا انسان کی خود غرضیوں کو دبا کر اس کو اخلاقی راستہ پر لے جانا پڑتا ہے۔ ہندوستان کی قومی حکومت اس فرض کو انجام دے رہی ہے۔ مگر ہم صاف الفاظ میں کہنا چاہتے

(باقی صفحہ ۸)

۷۸۶
۹۲

ہفتہ وار
مملکت

۲۴ خورداد ۱۳۵۸ ف

مسٹر نرسنگ راؤ کا مکتوب

اس اشاعت میں ہم نے اپنے عزیز دوست جناب ایم۔ نرسنگ راؤ صاحب ایڈیٹر "رعیت" کا ایک مکتوب شائع کیا ہے جس میں موصوف نے ہماری اس رائے سے کہ مسلمانان دکن سیاسیات سے الگ رہیں اختلاف کیا ہے اور اپنے اختلاف کے وجوہ کا بھی اظہار فرمایا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہمارے قارئین اس مکتوب کو اسی توجہ سے پڑھیں گے جس کا وہ مستحق ہے۔

مثل مشہور ہے کہ ہر شخص اپنے گرد و پیش کی دنیا کو اپنے تصورات کا عکس سمجھتا ہے۔ مسٹر نرسنگ راؤ ان شریف اور بلند کردار ہندوؤں میں سے ہیں جو اس دور کے ہندوستان میں کمیاب ہیں۔ ۱۷ ستمبر ۱۹۴۸ء سے قبل بھی گو مسٹر نرسنگ راؤ اس عام کل ہند وبا سے متاثر تھے جس کا تقاضا یہ تھا کہ حیدرآباد میں مسلمانوں کا نام نہاد اقتدار ختم کر دیا جائے تاہم موصوف نے اپنے قلبی اور دماغی توازن کو بڑی حد تک برقرار رکھنے کی کوشش کی تھی۔ ۱۷ ستمبر کے بعد سے ہمیں یقین ہے کہ موصوف کے قلب و دماغ میں کوئی مخالفت مسلمانان ہند باقی نہیں رہا لیکن اب بھی ہمیشہ کی طرح وہ یہ غلطی ضرور کر رہے ہیں کہ اپنی قوم کے ہر فرد کو اپنا جیسا بلند کردار سمجھتے ہیں۔

ہندوستان کی سیاسیات میں اس غلطی کا ارتکاب کرنے والوں میں پنڈت جواہر لال نہرو، بابو راجندر پرشاد، مسٹر راجگوپال آچاری ہیں۔ اس لئے ہمیں کوئی تعجب نہیں کہ مسٹر نرسنگ راؤ ہمارے مشورہ کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ ہم اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ مسٹر نرسنگ راؤ نے جو کچھ لکھا ہے اس کی تہہ میں یہ جذبہ کارفرما ہے کہ مسلمانوں کو مزید نقصان نہ ہو لیکن ان سے اعتبار کی غلطی تو ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنی قوم کے افراد سے ضرورت سے زیادہ حسن ظن رکھتے ہیں۔

ہم نے ۱۷ ستمبر سے پہلے بارہا عرض کیا ہے اور آج بھی عرض کرتے ہیں کہ جب کبھی ہم سیاسی مباحث میں ہندو قوم کو زیر بحث لاتے ہیں تو ہمارا منشا ہندو قوم کے اس طبقہ سے ہوتا ہے جو ہندو رائے عامہ کو متاثر کرکے اس کو میدان عمل میں لانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس طبقہ کے متعلق اگر ہم رائے زنی کریں تو دیگر ہندو بھائی ہماری اس رائے کو اپنے آپ پر منطبق کرنے کا خیال تک دل میں نہ لائیں۔ اگر حیدرآباد کے اکثریتی فرقہ کا ہر فرد نرسنگ راؤ ہوتا تو حیدرآباد کی تاریخ مختلف ہوتی۔ اگر ۱۷ ستمبر کے بعد بھی حیدرآباد کا ہر ہندو نرسنگ راؤ بن جاتا تو ہم اپنے مسلمان بھائیوں کو وہ مشورہ نہ دیتے جو ہم گزشتہ چھ ماہ سے دیتے آئے ہیں۔ ہمارے مشورہ کی صحت اور عدم صحت کو جانچنے والے براہ کرم پہلے اپنا سیاسی پس منظر درست کر لیں اور اس کے بعد بنظر غائر ان رجحانات کا مطالعہ کریں جو اکثریتی فرقہ کے سیاسی مزاج کو متاثر کر رہے ہیں۔

چونکہ یہ مکتوب ایک نجی حیثیت رکھتا ہے اس لئے ہم یہ سمجھتے ہوئے کہ سردار پٹیل اس کی نوٹس نہیں لیں گے ذرا دل کھول کر کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ ہم ہر غیر جانبدار شخص کے آگے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ حیدرآباد کے خلاف جو اقدام کیا گیا وہ غیر گاندھیانہ تھا۔ ہمیں سردار پٹیل سے شکایت نہیں کہ انھوں نے ایسا کیوں کیا۔ ہمیں حیدرآبادی ہندوؤں سے شکایت ہے کہ انھوں نے اس امر کا خیر مقدم کیوں کیا۔ اگر حیدرآباد کے ہندو دکھی تھے، مظلوم تھے، اگر ان کے حقوق پامال ہو رہے تھے تو انھیں پورا حق تھا کہ وہ حیدرآباد کی حکومت کے خلاف خود بغاوت کرتے اس کا تختہ الٹ دیتے اور اپنی پسند کی حکومت بنا لیتے لیکن انھوں نے پولیس کارروائی کو مدعو کیا۔ اس کے بعد مسلمانوں کا جو قتل ہوا، ان کے گھر جس طرح لوٹے گئے اور ان کی عورتوں کی جو عزت ریزی ہوئی وہ ایک ایسا داغ ہے جو مشکل سے بھلایا جا سکتا ہے۔ ۱۷ ستمبر کے بعد جو واقعات رونما ہوئے ان سے ہندو قیادت بری الذمہ نہیں ہو سکتی۔ انڈین یونین کے ریاستی محکمہ کا یہ بیان ہے کہ ۱۷ ستمبر کے بعد جو کچھ ہوا اس میں ہمارا کوئی ہاتھ نہیں مقامی ہندوؤں نے سب کچھ کیا اور جو کچھ ہوا وہ انتقامی جذبہ کے تحت ہوا۔ بہ الفاظ دیگر ۱۷ ستمبر سے پہلے مسلمانوں نے جو کیا تھا اس کا جواب ۱۷ ستمبر کے بعد دیا گیا۔ اگر یہ بیان واقعات کے مطابق ہوتا تو ہمیں لاکھوں مسلمانوں کے مارے جانے، لوٹے جانے اور خانماں برباد ہو جانے کی شکایت کا موقع نہ ہوتا۔ ہم یہ کہہ کر اپنے آپ کو تسلی دے لیتے کہ ہمارے عہدیداروں نے سابقہ دور میں جو کچھ کیا تھا اس کا خمیازہ اب ہماری قوم کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔ برائی کا بدلہ قانون قدرت ہے۔ لیکن اپنی سات سو سالہ تاریخ میں بالعموم اور گزشتہ دو صد سالہ تاریخ میں بالخصوص مسلمانوں نے اپنے بدترین لمحات میں بھی ایسے مظالم کا تصور تک نہیں کیا جو گزشتہ چھ ماہ کے دوران میں مسلمانوں پر ڈھائے گئے۔ اگر یہ کہا جائے کہ انقلاب میں ایسا ہوتا ہی ہے جیسا کہ ہمارے دوست مسٹر باقر علی مرزا فرماتے ہیں تو تب بھی کیا ہم اس ذہنیت کو نظرانداز کر سکتے ہیں جو گزشتہ چھ مہینوں میں نہ صرف ظاہر ہوتی رہی بلکہ قوی ہوتی رہی ہے۔ مسلمانوں کو ذلیل کرنا، نا کردہ گناہوں کی ذمہ داری ان کے سر تھوپنا، ان کی معاشی تباہ حالی میں اضافہ کرنا، انھیں روزگار کے مواقع سے محروم کرنا ——— یہ ہے عام رجحان۔

ان حالات میں اگر ہم مسلمانوں کو یہ مشورہ دیں کہ تم سیاسی میدان سے الگ ہو جاؤ، اپنی دماغی اور جسمانی محنت کے ذریعہ روزی کمانے کی فکر میں لگ جاؤ، حکومت وقت کی اطاعت کرو، کسی سیاسی پارٹی سے الجھنے کا خیال تک دل میں نہ لاؤ، ہر قسم کی شورش سے دور رہو، اکثریتی فرقہ کے ہر فیصلہ کو جو مداخلت فی الدین کا اثر نہ رکھتا ہو قبول کر لو اور صرف اپنی عزت و آبرو کی امان مانگو ——— کیا یہ کہنا کانگریس کی مخالفت کرنا ہے؟ کیا یہ پیام کانگریس سے عدم تعاون ہے؟ مسٹر نرسنگ راؤ سے ہمیں شکایت ہے کہ انھوں نے ہمارے مسلک کو سمجھنے میں بے ساختہ زیادتی کی۔ ہم مسٹر نرسنگ راؤ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہمارے پیش کردہ مسلک میں نہ تو فرقہ واری نمائندگی کے لئے کوئی گنجائش ہے اور نہ فرقہ واری حقوق کے۔ ہم مسلمانوں سے صاف کہہ رہے ہیں کہ صرف عزت و آبرو کی امان مانگو۔

نرسنگ راؤ کو یقین دلاتے ہیں کہ حیدرآباد کا مسلمان مارے جانے سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا کہ لوٹے جانے یا ذلیل کئے جانے سے۔ اگر مسٹر نرسنگ راؤ اپنی قوم کے قائدین سے مسلمانوں کی سفارش کر کے انہیں بے عزتی کی زندگی سے نجات دلاسکتے ہیں تو ہم انہیں مسلمانوں کا محسن اعظم قرار دینے میں ہرگز تامل نہیں کریں گے۔

مسٹر نرسنگ راؤ کو یہ اندیشہ پریشان کر رہا ہے کہ مسلمان سیاسیات سے اس وقت اس لئے علحدگی پسند کر رہے ہیں کہ آئندہ چل کر اپنی علحدہ تنظیم کریں اور اکثریتی فرقہ کے اقتدار کے لئے کہیں خطرہ نہ بن جائیں۔ اس اندیشہ سے متعلق ہم بجز اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ اس میں خود اعتباری کا فقدان جھلک رہا ہے۔ مسٹر نرسنگ راؤ ناواقف نہیں کہ نہ صرف حیدرآباد میں بلکہ سارے ہندوستان میں اکثریتی فرقہ کا اقتدار قائم ہوچکا ہے۔ انڈین یونین نہ صرف ایشیا بلکہ ساری دنیا کی عظیم ترین قوتوں میں شمار کی جاتی ہے۔ ایسی بلند مرتبہ قوم ایک مفلس، پریشان حال، غیر منظم اور بے بس اقلیت کی سیاسی گوشہ نشینی سے ڈراونے خواب دیکھنے لگے تو یہ بات ہندو قوم کے لئے زیب نہیں دیتی۔ مفلوک الحال لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو یہی بڑا کرم ہے۔ ایک شخص میدان ہار کر زخموں سے چور اپنے مستقبل سے متعلق غیر مطمئن کچھ عرصہ کے لئے گوشہ نشینی اختیار کرنا چاہتا ہے تو اس کو پھر للکارنا اور اپنے پیچھے چلنے پر مجبور کرنا اس کے ساتھ صریحاً زیادتی ہے۔

ہم نے مسلمانوں کو جو مشورہ دیا ہے اس کے متعدد اور معقول وجوہ ہیں جن کا تعلق زیادہ تر مسلمانوں کے اس نئے اور پریشان کن موقف سے ہے جس میں وہ اپنے آپ کو پاتے ہیں۔ ہندو بھائیوں پر جو چیز واضح کرنی ہے وہ صرف یہ ہے کہ ہماری سیاسی موت واقع ہوچکی ہے۔ مستقبل سے متعلق ہمارے کوئی سیاسی عزائم ہو نہیں سکتے۔ اس لئے نہ آپ پریشان ہوں نہ ہمیں پریشان کریں۔ ہمیں گوشہ نشین رہنے دیجئے۔ اگر ہمارے مذہب میں مداخلت نہ ہو، ہمارے کلچر کو برباد نہ کیا جائے اور ہمیں روزگار کے مواقع حاصل رہیں تو بس یہی ہماری معراج ہے۔

کیا اب بھی مسٹر نرسنگ راؤ مسلمانوں کو سیاسی بھنور میں دھکیلنا پسند کریں گے؟ کیا مسلمانوں کی تباہی مکمل نہیں ہوئی؟ کیا یہ ضروری ہے کہ حیدرآباد میں ہر نئی سیاسی تبدیلی مسلمانوں کے لئے ایک نئی مصیبت ثابت ہو؟

ہم یقین رکھتے ہیں کہ مسٹر نرسنگ راؤ مسلمانوں کا مزید نقصان نہیں چاہتے اس لئے ہمیں توقع ہے کہ وہ مسلمانوں کو سیاسیات کی طرف پھر نہیں بلائیں گے۔ سیاسیات سے علحدگی ہرگز اس امر کے مترادف نہیں کہ مسلمان کانگریس کے مخالف ہیں۔

ہماری تعلیم کا بنیادی نقص

پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم ہندوستان نے سنٹرل انسٹیٹیوٹ آف ایجوکیشن کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے کہا "ہماری درس گاہوں میں معیار بالکل گھٹ گئے ہیں اساتذہ اور طلبا دونوں کے۔ بعضوں نے فرقہ وارانہ پست ذہنیت کی مذمت کی جو تنگ نظری کی وجہ سے کشیدگی پیدا ہوتی ہے۔ بعض مرتبہ مجھے یہ شبہ ہوتا ہے کہ کیا ہماری موجودہ تعلیم اچھی ہے۔ درحقیقت بعض وقت یہ بالکل ہی بری ہے۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ تعلیم بری ہو بلکہ خیال یہ ہے کہ اس میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی ہے جس کو دور کرنا ضروری ہے۔ ہندوستان میں بدقسمتی سے ڈگریوں کو بہت اہمیت دی جاتی ہے شاید اس وجہ سے کہ ماضی میں یہی ذریعہ ملازمت حاصل کرنے کا تھا۔ اس طرح یہاں دنیا کے دوسرے ممالک کی بہ نسبت یونیورسٹی کی ڈگریوں کو زیادہ اہمیت حاصل ہوگئی۔ اس سے قابلیت بڑھانے کا یا صلاحیت اور کارکردگی میں اضافہ کا سوال پیدا نہ ہوا۔ بلکہ کسی نہ کسی طرح ڈگری حاصل کرنے کی طرف رجحان رہتا ہے۔ آج بعض مرتبہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ طلبا چاہتے ہیں کہ مناسب تعداد میں کامیاب ہوں گویا صرف کامیابی ہی قابلیت کی سند ہے۔ یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ ایک ایم اے بالکل جاہل۔ چند روز قبل حکومت کے ایک رکن ایک درس گاہ کے معائنہ کے لئے گئے تھے وہاں طلباء کی طرف سے مطالبہ کیا گیا کہ ان کی آمد کی تقریب میں طلباء کو کامیاب کیا جانا چاہئے دہشتی، یہ صورت بالکل غیر معمولی ہے۔ معائنہ کے سلسلہ میں تعطیل دیجاتی ہے لیکن ناکام طلباء کو کامیاب کرنا بالکل ہی غیر معمولی بات ہے۔ اگر معیار گرا لیا جائے تو بہت ہی خطرناک حالات پیدا ہوجاتے ہیں ہم ایک ایسے زمانہ سے گزر رہے ہیں جس میں حالات نے بہت ہی پلٹا کھایا۔ اگر معیار گر جائے تو سب حالات خراب ہوجائیں گے۔

زبان سے متعلق کہا ہندوستانی یا ہندی پر بڑی بحث ہو رہی ہے اور .... نظر انداز کردی گئی ہے میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ کیوں ایک زبان کو قانون کے ذریعہ پابند کیا جاتا ہے۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ تعلیمی طریقوں سے اس کی ہمت افزائی کیجاسکتی ہے زندہ زبانیں عوام سے پیدا ہوتی ہیں نہ کہ مصنوعی ادبی حلقوں سے یا تعلیم یافتہ لوگوں سے پیدا ہوتی ہے۔

ہندوستان دولت مشترکہ میں شامل رہے گا؟

ایک صحافتی کانفرنس میں سوشلسٹ لیڈر مسز ارونا آصف علی نے یہ کہا کہ غیر جانبداری اور ایشیائی ممالک کی قیادت کے لئے ہندوستان کا دعویٰ جب تک وہ دولت مشترکہ میں شامل رہے، ایک مضحکہ خیز بات بنا رہے گا۔ مسز آصف علی نے جو یوپی اسٹاپ اسٹنس کانفرنس کی صدارت کرنے کل صبح یہاں آئی تھیں، کہا کہ ہندوستان کا یہ دعویٰ کہ وہ ایک جمہوریت ہے، اور ایک ہی سانس میں یہ بھی کہنا کہ وہ دولت مشترکہ میں شامل رہے گا اور کسی قوم سے جنگ کرنا نہیں چاہتا، ایک کھلا بیان ہے۔ موصوفہ نے کہا کہ یہ ایک قریب قریب مسلمہ حقیقت ہے کہ ہندوستان دولت مشترکہ میں شامل رہے گا اور انگلستان سے پنڈت نہرو کی واپسی کے بعد مجلس دستور ساز کا اجلاس طلب کیا جائے گا کہ وہ فیصلہ کی توثیق کرے۔

موصوفہ نے کہا کہ ہندوستان میں بیرونی سرمایہ کا داخلہ ہندوستان کو مغربی ممالک سے باندھ دے گا اور ان ہی ممالک کا تسلط برقرار رہے گا۔

مسز آصف علی نے چین میں کمیونسٹ کامیابی کے ردعمل کا ذکر کیا اور کہا کہ ہندوستان میں "بائیں بازو کا بایاں بازو" معاہدہ اوقیانوس سے زیادہ چین کے واقعات سے متاثر ہو رہا ہے۔ ان کامیابیوں سے یہ حقیقت آشکار ہوجاتی ہے کہ صرف سوشلسٹ پارٹی ہی ہندوستان کے لئے مفید ہوسکتی ہے۔ چین کا موجودہ انقلاب سنہ ۱۹۱۷ء کے روسی انقلاب کی طرح دور رس اہمیت رکھتا ہے۔

اس سوال پر کہ کیا یہ حکومت ہند کے لئے مناسب ہے کہ ہندوستانی کمیونسٹوں کو گرفتار کرے؟ مسز آصف علی نے کہا کہ کمیونسٹوں کو گرفتار کرنے والے حکومت کے اس عمل نے بین الاقوامی میدان میں ہندوستان کے موقف کو پیچیدہ بنا دیا ہے کمیونسٹوں کے ساتھ ہندوستانی حکومت کا طرز عمل کم و بیش ایسا ہی ہے، جیسا کہ امریکہ کمیونسٹوں کے ساتھ اختیار کر رکھا ہے۔

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

بلا تنقید :-

اسٹیٹ کانگریس کے چند کارکنوں نے موٹر میں سیکروفون سے حلقۂ چہارم اندرون کے باشندوں کو مخاطب کیا۔ ایک کارکن نے مجذوب کی مسندی کے تھانہ پولیس کے پاس موٹر ٹھہرا کے تقریر کی جس میں اس نے مسلمانوں کو علی الاعلان یہ دھمکی دی کہ اگر وہ ۳۰ خورداد تک کانگریس میں بھرتی نہ ہو جائیں تو مذہبی، سماجی، سیاسی اور معاشی ہر اعتبار سے نقصان اٹھائیں گے۔ اس نے نقصان اٹھائیں گے کے لفظ پر خاص طور پر زور دیا۔ (نامہ نگار پیام)

شاہ صدیقی صاحب اپنے روزنامچے میں تقریر کرتے ہیں کہ :-

میں اس اتحاد کے استحکام کا قائل نہیں جو محض مذہب کے سہارے پیدا کیا جاتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں صرف وہی اتحاد دیرپا ہو سکتا ہے جس کی بنیادیں سیاسی اور معاشی ہوں۔

۱۷ ستمبر سے پہلے آپ نے قاسم رضوی سے کس بنیاد پر اتحاد کیا تھا؟ اگر یہ اتحاد معاشی بنیاد پر تھا تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔

معاصر پیام لکھتا ہے کہ :-

ہم اپنی اس اٹل رائے پر قائم ہیں کہ کانگریس میں شرکت سے یہ مسئلہ (مسلم اقلیت کا مسئلہ) حل نہ ہو سکے گا۔

آگے چل کر معاصر موصوف نے مشورہ دیا ہے کہ :-

مسلمان اور دیگر اقلیتیں ترقی پسند جمہوری تحریکات میں حصہ لیں اور ملک کی عوامی جدوجہد سے اپنے آپ کو وابستہ کرلیں۔

گویا کانگریس ترقی پسند جمہوری تحریک نہیں رہی ہے تو پھر اس تحریک کے بجائے

والے جس کا ذکر معاصر موصوف بار بار کرتا ہے کون لوگ ہیں کہاں رہتے ہیں ان کا پتہ کیا وغیرہ جیسے سوالات پر جب ہم غور کرتے ہیں تو ہمیں غالب کا یہ شعر یاد آجاتا ہے۔

شاہد ہستی مطلق کی کمر ہے عالم
لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہمیں منظور نہیں

اورینٹ پریس کی اطلاع ہے کہ :-

مسٹر حمید اقبال ایڈیٹر روزنامہ "خورشید" نے انجمن صحافت سے اپنا استعفا واپس لیتے ہوئے لکھا ہے کہ انھوں نے بعض غلط فہمیوں کی بنا پر استعفا دیا تھا۔

مدیر موصوف نے غلط فہمی کی بنا پر استعفا دیا اور خوش فہمی کے تحت واپس لے لیا۔

ایک برطرفی ـــــ ایک اور برطرفی۔
(اخباری سرخیاں)

ان سرخیوں کے تحت ایک معاصر نے ان مسلم عہدہ داروں کے نام شائع کئے ہیں جو برطرف کر دیئے گئے ہیں۔ اگر یہ برطرف شدہ افراد مسٹر باقر علی مرزا سے رجوع کریں تو وہ اور ان کا کنبہ بیروزگاری اور فاقوں سے محفوظ ہو جائے گا۔

اپنے ایک اداریہ میں معاصر "پیام" دریافت کرتا ہے کہ :-

جب خود اکثریتی فرقہ کے عام لوگ کانگریس سے غیر مطمئن ہوتے جارہے ہیں تو اقلیتی فرقہ کو وہاں جاکر کیا ملے گا!

مسٹر باقر علی مرزا پر اس قسم کے اعتراضات ہمیں پسند نہیں۔ اکثریتی فرقہ کانگریس سے غیر مطمئن ہو اکرے مسٹر باقر علی مرزا تو مطمئن ہیں۔ پھر اور کیا چاہئے!

جمعیۃ العلماء غیر سیاسی ادارہ بن گئی۔ مسلمانوں کو دیوناگری سیکھنے کا مشورہ۔ (اخباری سرخیاں)

کانگریس میں مسلمانوں کی بھرتی کرانا۔ دیوناگری کا پرچار کرنا سب غیر سیاسی کام ہیں۔

دہلی کی ایک خبر ہے کہ :-

چودھری جے پال سنگھ ایم۔ ایل۔ اے (یو۔ پی) کو دہلی کی پولیس نے عدالت میں حاضر ہو کر اس امر کی جواب دہی کرنے کی نوٹس دی ہے کہ انھوں نے اپنی موٹر پر نمبر کی تختی ہندی میں لکھ کر کیوں لگائی۔

حیدرآباد کی ایک خبر ہے کہ :-

آرٹس کالج جامعہ عثمانیہ میں بین کلیاتی انعامی ہندی تقریری مقابلہ ہوا۔ اس مقابلہ کا انتظام بزم ہندی جامعہ عثمانیہ کی جانب سے ہوا تھا۔

ابھی تو ہماری صحافت بڑی حد تک معیشتی کاروبار اور ذہنی غلامی میں قید ہے .... ابھی ہماری سیاسی فکر و نظر دہلی، کراچی، لندن، اور واشنگٹن کی حلقہ بگوش ہے۔ (پیام)

اگر ہماری فکر و نظر ماسکو کی حلقہ بگوش ہو جائے تو یہ ذہنی غلامی نہیں ترقی پسندی ہے۔

اڑیسہ لا کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے اڑیسہ ہائیکورٹ کے چیف جسٹس نے فرمایا کہ عدالتی کاروائی کے لئے انگریزی زبان کا بدل مشکل ہے۔ (ایک جج) کاش موصوف کبھی حیدرآباد ہائی کورٹ کا معائنہ فرماتے!!

مسٹر ایم نرسنگ راؤ کا مکتوب

ایڈیٹر "مملکت" کے نام

مکرمی مولوی میر حسن الدین صاحب مدیر مملکت

تسلیمات۔ میں آپ سے خواہش مند ہوں کہ براہ کرم آپ اپنے ہفتہ وار کے قیمتی کالموں میں میرے اس مکتوب کو جگہ دیں۔ جو خود آپ کا موضوع ہے۔

آپ سے میرے دوستانہ تعلقات بہت دیرینہ ہیں۔ نہ صرف پیشہ کے اعتبار سے بلکہ شخصی دوستی بھی ہے۔ گو آپ سے ملاقات نہ ہو کر کافی عرصہ گذرا۔ اور میں نے ایک دو مرتبہ کوشش بھی کی۔ لیکن آپ دولت خانہ پر تشریف نہیں رکھتے تھے۔ لہذا ملاقات سے محروم رہا۔ بدلے حالات کے اندر آپ سے تبادلہ خیال اور مختلف مسائل پر بحث کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ میرے دل میں آپ کا بڑا احترام ہے۔ باوجود اس کے کہ آپ کے سیاسی مسلک سے مجھے ہمیشہ اختلاف رہا۔ لیکن میں ہمیشہ اس کا قائل رہا کہ آپ جو محسوس کرتے ہیں وہ کہتے اور لکھتے ہیں۔ اور یہی ایماندارانہ صحافت ہے۔

پولیس کارروائی کے بعد حیدرآباد کے مسلمانوں کی پریشان حالی کو دیکھتے ہوئے "مملکت" کے ادارے بالکل فطری کہے جا سکتے ہیں۔ اور میں نے نہایت توجہ کے ساتھ آپ کے پورے مضامین جو گزشتہ (۲) ماہ کے دوران میں شائع ہوئے ہیں پڑھے۔ لیکن آپ کے خیالات اور آپ کے دلائل مجھے قائل نہ کر سکے۔ اس وقت مسلمانان حیدرآباد کی روش کس طرح کی ہونی چاہئے؟ ایک اہم سوال ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک غیر مسلم ہونے کی حیثیت سے مجھے کہنے کا حق نہیں ہے۔ لیکن آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ مسلمانان حیدرآباد کی پریشان حالی کو دیکھتے ہوئے میں اثر لئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور بہرکیف ہم سب اسی سرزمین کے سپوت یا کہئے بچے کہے جاتے ہیں۔ اور اس حیثیت سے میرا خیال ہے کہ مسلمانان حیدرآباد کو مخاطب کرنے کا مجھے بھی ویسا ہی حق ہے۔ لہذا اس غرض کے لئے میں آپ ہی کا توسط اختیار کرتا ہوں۔ جو آداب صحافت کے عین مطابق بھی ہے۔ اور میں متوقع ہوں کہ آپ میرے ان خیالات کو آپ کے ہفتہ وار کی فوری آئندہ اشاعت میں جگہ دیں گے۔

اب میں نفس مسئلہ پر آتا ہوں۔ آپ کے خیالات کا نچوڑ یہ ہے کہ مسلمانان حیدرآباد سیاسی زندگی سے بالکل قطع تعلق کرلیں۔ اور یہ علحدگی پسندی کی پالیسی ہے جس پر آپ برابر زور دیتے جا رہے ہیں۔ میں خیال کرتا ہوں کہ آپ حیدرآباد میں ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے بعد کی تاریخ دوہرانا چاہتے ہیں۔ عام طور پر ہندوستان کے مسلمانوں نے کانگریس کی سیاسیات سے علحدگی پسندی کی جو پالیسی اختیار کی وہی فرقہ واری ذہنیت کے مطالبہ سے ترقی کرتے کرتے دو قومی نظریہ اور تقسیم ملک کے سانحہ، مہلک نتائج اور تباہی کا ذمہ دار ہے۔ علحدگی پسندی کی پالیسی میرے خیال میں انتہائی خطرناک اور مہلک ہے۔ جب فرقہ کی ایک بہت بڑی پالیسی اور نیز طویل سیاسی تاریخ موجود ہو اور جو سیاسی حیثیت سے باشعور بھی ہو اس کی نسبت اس امر کا قیاس تک نہیں کیا جا سکتا کہ وہ سیاسیات سے الگ رہے گا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ موجودہ پریشانی کی حالت میں وہ کچھ دنوں تک الگ رہے۔ لیکن خود زمانہ حال کی زندگی کے پیچیدہ مسائل اس امر کے متقاضی ہیں کہ حیدرآباد کے مسلمان سیاسیات میں داخل ہوں۔ اب سوال صرف اس قدر ہے کہ آیا مسلمانوں کو اس امر کا موقع دیا جائے کہ وہ اپنی الگ سیاسیات بنائیں یا وہ ملک کی ایک مشترکہ سیاسیات کی تشکیل میں حصہ لیں۔ اگر مسلمانان حیدرآباد اس وقت علیحدگی پسندی کی پالیسی اختیار کریں تو اس میں میں کہ ان کی فرقہ واری سیاسیات ترقی پانے کا خدشہ محسوس کر رہا ہوں۔ اور اس کی تو ہرگز حوصلہ افزائی نہیں کی جانی چاہئے کہ ہندو اور مسلمان الگ الگ سیاسی کیمپ بنائیں۔ اس کے بہت تجربے کئے گئے۔ اور اب مزید تجربہ کرنے کا خطرہ مول لیا نہیں جا سکتا۔

اس وقت مسلمان بہت پریشان حال ہیں۔ ان کی اس پریشانی کا بیجا فائدہ اٹھا کر کانگریس میں شرکت پر ان کو مجبور کرنا ہرگز ٹھیک نہیں ہے۔ اور اور میرے خیال میں یہ کسی کا بھی مقصد نہیں ہے۔ لیکن آپ جس راستہ پر مسلمانوں کو لیجانا چاہتے ہیں اس میں میں بہت سے اندیشے اور خطرات دیکھ رہا ہوں۔ مجلس اتحاد المسلمین کی غلط قیادت نے مسلمانان حیدرآباد کے دلوں میں بعض غلط تصورات بٹھا دئے تھے۔ جب وہ غلط تصورات سب غلط ثابت ہو گئے تو مسلمانان حیدرآباد کو بڑا صدمہ پہنچا اور ٹھیس لگی۔ لہذا اب وہ اپنے آپ کو بہت پست اور لاچار محسوس کر رہے ہیں۔ میں ان کے دلوں سے احساس پستی کا یہ جذبہ مٹا دینا چاہتا ہوں۔ میں ان کے دلوں میں خودداری اور خودداری کے جذبات پیدا کرنا وقت کا تقاضہ خیال کرتا ہوں۔ مگر آپ اپنی تحریرات کے ذریعہ مسلمانوں کے موجودہ احساس پستی کو اور مزید پست حالت میں مبدل کر رہے ہیں۔ اس کے کیا اثرات ہوں گے؟ میرے خیال میں اس کے دو ہی اثرات ہو سکتے ہیں:۔

(۱) ایک یہ کہ مسلمان ہمیشہ کے لئے بالکل قعر ذلت میں پڑے رہیں۔

(۲) دوسرا یہ کہ مسلمان اپنی موجودہ پست حالت کو دیکھتے ہوئے اپنی ماضی کو دیکھیں گے۔ اور جیسے جیسے وہ اپنی ماضی کو یاد کرتے جائیں گے ویسے ہی ان میں رنج، غم، اور غصہ کے جذبات پیدا اور ترقی پائیں گے۔ اور یہ جذبات آئندہ کے لئے انتقامانہ اسپرٹ پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

میں زیادہ تر اسی ثانی الذکر خطرہ کو دیکھ رہا ہوں۔ کیونکہ یہ بالکل فطری نتیجہ ہے۔ لہذا میں چاہتا ہوں آپ اپنے مسلک پر نظر ثانی فرمائیں۔ ہم کو حیدرآباد میں پھر وہی پرانی ہندو مسلم سیاسی تاریخ دہرانی نہیں ہے۔ ہم کو ایک غیر مذہبی حکومت کو نشوونما اور ترقی دینی ہے۔ آپ براہ کرم مستقبل کو دیکھئے۔ تاکہ مسلمانوں کی صحیح رہبری ممکن ہو سکے۔

انہی تمام وجوہ کی بنا پر میں اپنے دوست مسٹر باقر علی مرزا، ملا عبدالباسط صاحب، اور مسٹر اکبر علی خاں جیسے ملک کے کارکنوں کے خیالات کا ساتھ دیتا ہوں جو مسلمانوں کو کانگریس میں شرکت کی دعوت دے رہے ہیں۔ آپ ایک مضبوط غیر مذہبی اور غیر فرقہ واری سیاسی تنظیم لائے تو غیر مذہبی اور غیر فرقہ واری حکومت بھی آئے گی۔ آپ عدم تعاون کے جذبہ سے کام مت لیجئے۔ میرے خیال میں آپ اس وقت مسلمانوں کو یہی مشورہ دے رہے ہیں کہ وہ کانگریس کی سیاسیات سے تعاون نہ کریں۔ اور میرے خیال میں یہ بالکل غلط مشورہ ہے۔ اگر مسلمان عدم تعاون کریں یا علحدگی پسندی کی پالیسی اختیار کریں تو ان کی نسبت خواہ مخواہ ہندوؤں کے دلوں میں انواع و اقسام کے شکوک اور شبہات پیدا ہوں گے۔ اور ہم کو ایسے شکوک اور شبہات کے پیدا ہونے کی گنجائش نہیں دینی ہے تو یہ ضروری ہوگا کہ ہم ماضی کو بھول جائیں۔ اور اب ایک ساتھ مل کر چلیں۔ اور ایک ہی گیت گائیں۔ اسی میں ہم سب کی سلامتی ہے۔ کانگریس کے اصول، عقائد، اور مسلک کو تسلیم کرتے ہوئے کانگریس میں شریک ہونا وقت کا سب سے بڑا تقاضہ ہے۔

معاف فرمائیے کہ میرا یہ مکتوب کافی طویل ہو گیا۔ لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ میں نے اپنے پورے خیالات کھل کر لکھ دئے فقط

آپ کا مخلص

ایم۔ نرسنگ راؤ۔ مدیر "رعیت"

جرمن قومیت کی تجدید

از

ولہم اسٹیڈ

چھ مغربی ممالک جن کی نمائندگی جرمنی کے تین مغربی منطقوں کے فوجی کمانڈر کر رہے ہیں کچھ عرصہ سے مغربی جرمنی میں ایک فیڈرل ری پبلک قائم کرنے کا بندوبست کر رہے ہیں جس کا مقصد ایسا تھا کہ اہل جرمنی کو نئے سیلف گورنمنٹ کا ضامن بھی ہوگا۔ اور اس سے بین الاقوامی امن کو خطرہ بھی نہ ہوگا مغربی جرمنی کے (۱۱) صوبوں کے لئے ایسا آئین بنانے کی خاطر فوجی کمانڈروں نے جرمن لیڈروں اور پارٹیوں سے بھی مدد طلب کی اور امید ہے کہ یہ آئین چند ترمیموں کے ساتھ منظور ہو جائے گا۔ چنانچہ کافی کامیابی حاصل ہو چکی ہے۔" سوال ہے ان سب باتوں کا مطلب کیا ہے؟

برطانوی، فرانسیسی اور امریکی حکومتوں کو ان سب باتوں سے امید ہو گئی ہے کہ مغربی جرمنی کی تعلیم و تنظیم اس طور پر ہو گی کہ ایک دن اہل جرمنی کسی فوجی مہم کا خواب لئے بغیر یورپی یونین میں شامل ہو جائیں گے مغربی طاقتیں اس بات کو زیادہ پسند کرتیں اگر مشرقی جرمنی بھی اسی ڈھب پر چل سکتا اور جمہوری فیڈرل ازم کی بنا پر ملک کے دو حصوں کو متحد کیا جا سکتا۔ لیکن موجودہ حالات میں روسی منطقہ اور کوششوں کی زد میں نہیں آئیگا بلکہ اس آئینی ادارہ میں برلن کو دوسرے ۱۱ صوبوں کے برابر رقبہ شامل کرنا بھی ناممکن پایا گیا ہے۔

چنانچہ جرمن پارلیمنٹری کونسل کو جس نے چند ماہ فیڈرل ری پبلک کی آئین ساز اسمبلی کے طور پر کام کیا تھا اتحادیوں کے اس فیصلے سے مایوسی ہوئی ہے کہ برلن مغربی پارلیمنٹ میں صرف چند نمائندے بھیجنے کی اجازت دی جائے گی۔ لیکن یہ نمائندے ممبر نہیں ہوں گے۔ کونسل کو شروع میں بتایا گیا ہے کہ ایک ایسی حکومت قائم کی جانی چاہیے کہ جرمن صوبوں کو دوبارہ قائم کر سکے اور ایک مرکزی حکومت کے جلد از جلد قیام کی خواہش رکھنے کے باوجود کونسل نے ہر سہ قوموں کا اعلان کیا کہ اس کا کام محض عارضی ہے اور جرمنوں کی طرف سے ہی کیا جا رہا ہے جن میں اہل برلن بھی شامل ہیں۔ خواہ وہ فی الحال اس میں حصہ نہیں لے رہے ہیں۔ کونسل حکومت کو مستحکم کرنے اور فیڈریشن کے مختلف صوبوں کے اختیار کو کم کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔

تاہم خیال ہے کہ چند ماہ میں جرمنی کے ایک نئے صدر مقام پر ایک فیڈرل ری پبلک قائم ہو جائے گی جس میں ایک منتخب شدہ پریسیڈنٹ، ایک چانسلر اور کیبنٹ اور دو مجالس قانون ساز ہوں گی فیڈریشن کے ۱۱ صوبوں اور ان کی کاؤنٹیوں اور میونسپلٹیوں میں بھی مقامی کونسلیں ہوں گی جو آزادانہ ڈائرکٹ و خفیہ رائے دہندگی کے ذریعہ منتخب ہوں گی۔

ابھی سے یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ ادارے جرمنی لوگوں میں جمہوری اسپرٹ پیدا کرنے میں ایک حد تک معاون ثابت ہوں گے اور اہل جرمنی کی طبعی مانگ کو پورا کرنے کے سلسلہ میں بھی تو اس لحاظ سے کیا اہل جرمنی یہ سمجھنے لگیں گے انھیں ان پر ٹھونس گیا ہے؟ ہٹلر اور نازی لوگ بھی دوسری ری پبلک کو اپنے اوپر ٹھونسا ہوا سمجھنے لگے تھے کیا روسی گورنمنٹ پروپیگنڈہ مغربی جرمنی کے آئین کی یہ کہہ کر مذمت کرے گا کہ یہ تو جرمن قومی اتحاد پر ضرب کاری ہے؟ اگر واقعی ایسا ہوا تو مغربی جرمنی کے باشندوں پر اس کا کیا اثر ہوگا۔

ان سوالات کا سر دست جواب نہیں دیا جا سکتا۔ مغربی جرمنی کے لوگوں کے نظریہ اور خیالات میں تبدیلی لانے کے لئے وقت اور سمجھدار اتحادی پالیسی کی ضرورت ہے ایک بات تو ظاہر ہے کہ مشرقی جرمنی کے روسی ہتھکنڈے اور جرمن کمیونسٹوں کی چالیں اس بات میں ناکام رہی ہیں کہ مغربی جرمنی کے دل میں مشرقی جرمنی سے مل جانے کی خواہش پیدا کی جائے اس کے برعکس برلن کی ہوائی مدد کی کامیابی نے مغربی جرمنی باشندوں میں یہ یقین پیدا کر دیا ہے کہ طاقت جس کی اہل جرمنی حفاظت چاہتے ہیں۔ صرف روس کے پاس ہی نہیں ہے۔

پھر بھی یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ اہل جرمنی مغربی غیر ملکی فوجی حکومت سے تہ دل سے تعاون کر رہے ہیں۔ اور ان کے احسان مند ہوں گے۔ یہ ایک اصلیت ہے کہ بیشتر جرمن رسالوں کی جو سال دو سال پیشتر ہٹلر اور نازیوں کی غلط کاریوں کی مذمت کیا کرتے تھے اور مغربی جمہوری نصب العین کو تسلیم کر لینے کا مشورہ دیا کرتے تھے مقبولیت کم ہو گئی ہے اور انھیں اپنی اشاعت بند کرنا پڑی۔

دوسرے الفاظ میں جرمن نیشنلزم کی تجدید ہو رہی ہے اور اہل جرمن کو اس بات کا پھر سے یقین ہو گیا ہے کہ وہ یورپ اور دنیا میں اگر بادشاہ نہیں تو باعزت جگہ ضرور حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ تجدید بذات خود نہ تو خطرناک اور مضر ہے۔ یہ اس وقت ضرور خطرناک ہو جائے گی جب مغربی طاقتیں اپنی چوکسی میں کمی کر دیں گے۔ یا یہ سمجھنے لگیں گی کہ اہل جرمنی اپنے برے ماضی پر شرمندہ ہیں اور آئندہ بہت بہتر طریقہ اختیار کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔

مجھے اس جرمن مصنف سے اتفاق ہے جس نے حال ہی میں لکھا تھا کہ غیر ممالک سے آنے والے لوگ حیران ہیں کہ جرمنی میں خطا کا احساس مفقود ہے اور اس کی ذمہ داری بد خصائی نہیں۔ بلکہ اہل جرمنی نجیب ہی خطا وار کا مطلب نہیں سمجھ سکتے کم از کم اس لحاظ سے یہ بات فائدہ مند ہو گی کہ نئی فیڈرل ری پبلک کے پارلیمنٹری اداروں کے تحت جرمن رائے کا آزادانہ استعمال ہوگا۔ اور مغرب کی جمہوری طاقتیں یہ دیکھ سکیں گی کہ اہل جرمنی کا متحدہ یورپ کا رکن بننے کے متعلق کیا رویہ ہے۔

خالص لسانی صوبوں کی تشکیل ناممکن ہے

"خالص لسانی صوبوں کی تشکیل ناممکن ہے اس لئے کہ ان صوبوں کی سرحد پر ایسے علاقے جات ہوں گے جہاں دو مختلف زبانوں کا وجود ضروری ہوگا۔" — ان خیالات کا اظہار آل انڈیا کانگریس کے سابق صدر مسٹر اچاریہ نے اپنی آمد کے بعد "لنک ریگٹ ہاؤز" میں اخبار نویسوں کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے کیا۔ مسٹر اچاریہ نے اپنے اس خیال کا بھی اظہار کیا کہ لسانی بنیادوں پر صوبوں کی تشکیل سے سماجی، معاشی اور انتظامی مسائل کی موجودہ پیچیدگیوں میں جو کچھ پہلے ہی جاری ہیں اضافہ ہو جائے گا۔ میں نہیں چاہتا کہ موجودہ مسائل میں لسانی صوبوں کی تشکیل سے ایک اور مسئلہ کا اضافہ کروں۔ ہمارے ملک میں پہلے ہی سے ایسے مسائل موجود ہیں جو ہماری فوری توجہ و حل کے محتاج ہیں۔ اس سے پہلے کہ ہم ایک دوسرے تجربے کا آغاز کریں۔ ہمیں موجودہ سماجی، معاشی اور انتظامی مسائل پر پہلے غور کر لینا چاہئے۔ اس میں شبہ نہیں کہ کانگریس نے لسانی صوبوں کی تشکیل کے مطالبے کو ایک نعرے کے طور پر قبول کر لیا۔ مگر موجودہ حالات میں اس کو فوراً روبہ عمل نہیں لایا جا سکتا۔ لسانی صوبوں کی تشکیل کو عمل میں لانے کے لئے مطلبی

ں کی گروہوں کو ان کی اپنی معاشرت اور زبان کے تحفظ کی پوری سہولتیں دی جا سکتی ہیں۔ ان صوبوں کو چاہئے کہ اہم علاقہ یا باقی زبان کو بحیثیت سرکاری زبان کے اختیار کریں ۔۔۔۔ لکھنؤں کی مسلسل گونج میں مسٹر اچاریہ نے راجاؤں اور شہزادوں کے مستقبل کے متعلق جواب دیتے ہوئے کہا کہ اس کا پہلے ہی سے تصفیہ ہو چکا ہے کہ وہ مستقبل میں حکومت بطور وظیفہ خواروں کی حیثیت سے شامل ہوں گے ۔۔۔۔ قومی زبان کے متعلق ایک سوال کے جواب میں سابق صدر کانگریس نے کہا کہ ہندی و ہندوستانی میں کوئی امتیاز نہیں برتنا چاہئے۔ ان دونوں میں سے کسی ایک کو بحیثیت ہندوستان کی قومی زبان کے رائج کیا جا سکتا ۔۔۔۔ مسٹر اچاریہ نے اپنے دورہ حیدرآباد کے مقصد کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ میرا مقصد صرف یہ تھا کہ نائیڈو سے ملنا تھا جو کہ ان دنوں علیل ہیں اور جن سے میری ملاقات سروجنی نائیڈو کی وفات کے بعد ہو سکی تھی ۔۔۔۔ مسٹر اچاریہ کل بذریعہ طیارہ مدراس روانہ ہو جائیں گے جہاں سے وہ سیلون کو پرواز کریں گے۔ اور سیلون میں مسز کرپلانی سیلون انڈین نیشنل کانگریس کے اجلاس میں شرکت کریں گی جو عنقریب منعقد ہونے والا ہے۔

مذہبی تعلیم کے لئے جدا ادارے ہوں

جمیعت العلماء ہند کی قرارداد

جمیعت العلمائے ہند کو غیر سیاسی جماعت میں تبدیل کر دیا گیا ہے آئندہ جمیعت مسلمانوں کی مذہبی و ثقافتی ترقی کے لئے جدوجہد کرے گی جمیعت کی اس پالیسی کی قرارداد ایک جلسہ میں پاس کی گئی جس میں ۱۰۱ ہزار سے زائد مسلمانوں کا اجتماع تھا۔ قرارداد کی تائید کرتے ہوئے مقررین نے کہا کہ جمیعت کی ۵۰ سالہ سیاسی جدوجہد رہی ہے اور ہند کی آزادی سے اس کا نصب العین حاصل ہو گیا ہے۔ اس قرارداد میں کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کو دیوناگری رسم الخط سیکھنے کے لئے تامل کرنا چاہئے بلکہ ایسے اخبارات دیوناگری اور اردو رسم الخط میں شائع کئے جائیں جن میں اسلام کے بنیادی اصول بتائے جائیں تاکہ ہندی عوام ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھیں۔

مولانا احمد سعید جعفری نے قرارداد کی حمایت کی ہندوستانی مسلمانوں کو نصیحت کی کہ ہندوستانی مسلمان اپنی رہبری اور فلاح کے لئے پاکستان کی طرف نہ دیکھیں۔ یہ راستہ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے نقصان دہ ہوگا۔ اگر مسلمان کمیونزم کے سیلاب کو جو ایشیا میں پھیل رہا ہے۔ یہ روکنا چاہتے ہیں تو انھیں چاہئے کہ اسلامی تہذیب کی اصلاح کریں۔

جمیعت کی تعلیم کی قرارداد میں کہا گیا ہے کہ مسلم اطفال جو سرکاری مدرسوں میں پڑھتے ہیں ان کے مذہبی تعلیم کے لئے جدا ادارے کھولے جائیں۔ تاکہ اخلاقی و سماجی ترقی ہو جمیعت نے مرکزی حکومت سے کہا کہ برطانوی عہد میں تیار کئے گئے شادی اور طلاق کے شریعت کے قوانین کو روبہ عمل لانے کے لئے ہمت افزائی کی جائے۔

روس نے ہندوستان کی سرحد پر

اپنی فوجیں جمع کر دیں

لندن ڈیلی ٹائمز کے خاص نامہ نگار نے انکشاف کیا ہے کہ روس نے حال ہی میں ہندوستان کی شمال مشرقی سرحد پر چینی صوبہ سنکیانگ میں جہاں چین کی سرحد روس سے ملتی ہے اپنی بہت سی فوج جمع کر رکھی ہے اور (۳) بہت بڑے ہوائی اڈے بھی تعمیر کر لئے ہیں اس سے حکومت ہند کو زبردست تشویش لاحق ہو گئی ہے۔

فوجی ماہرین کا خیال ہے کہ برما قریب قریب کمیونسٹوں کے چنگل میں جا چکا ہے اور اب اس کی سلامتی کی بہت کم توقع ہے۔ چین اور برما کے مسلسل اور وسیع خطہ کا کمیونسٹوں کے زد میں آجانا کسی وقت بھی ہندوستان کے لئے خطرہ ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ اس سے ہندوستانی کمیونسٹوں کے نہ صرف حوصلے ہی بڑھ گئے ہیں بلکہ انھیں بیرونی امداد حاصل کرنا بھی آسان ہو گیا ہے۔ نامہ نگار نے آگے بتایا ہے کہ تقسیم کے بعد ہند کے پاس صرف ۱۴ ڈویژن فوج تھی۔ اب ہندوستان اس میں توسیع کی کوشش کر رہا ہے لیکن اس کا تمام تر دارومدار اقتصادی پیداوار پر ہے۔ دفاع کے سلسلہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سامان جنگ ہے۔

آگے چل کر نامہ نگار مذکور بیان کرتا ہے کہ لندن میں کامن ویلتھ کانفرنس منعقد ہونے کا یہی مقصد ہے۔ اس غرض سے پنڈت نہرو لندن کے بعد واشنگٹن جا رہے ہیں تاکہ سامان جنگ کا کوئی بہتر انتظام کر سکیں۔ یہ بھی عجب نہیں کہ ہندوستان برطانیہ کو ہند میں اسلحہ ساز فیکٹریاں قائم کرنے کی دعوت دے۔ لیکن یہ ہو سکتا ہے جب کہ وہ کامن ویلتھ میں موجود رہے۔ سوال یہ ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو اپنی خود مختاری کو قائم رکھتے ہوئے اور برطانوی و امریکی امداد کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے کامن ویلتھ کے ساتھ اپنے کسی قسم کے تعلقات رکھنا پسند کریں گے۔

لیبیا کے عرب اٹلی والوں کے مظالم نہیں بھول سکتے

اقوام متحدہ کی سیاسی کمیٹی میں اٹلی کے سابقہ نوآبادیات کا سوال پھر زیر بحث آیا۔ سر ظفر اللہ خان نے بحث میں حصہ لیتے ہوئے کہا کہ اگر طرابلس کی تولیت اٹلی کے حوالے کر دی گئی تو اسے اپنے کام کی انجام دہی کے لئے صرف الحاوی یا تشددوں پر ہی بھروسہ کرنا پڑے گا۔ اور اس طرح اشتراک، تعاون اور دوستی کے اس جذبہ پر چوٹ پڑے گی۔ جو اس وقت وہاں خود بخود پیدا ہوا ہے۔ آپ نے یہ کہا کہ یہ امید کرنا غلط ہے کہ اٹلی کے دور حکومت سے عربوں کو جن لرزہ خیز مظالم کا شکار ہونا پڑا وہ ان کی یاد کو اپنے دلوں سے محو کر دیں گے لیبیا کے باشندوں کو غلام بنانے میں اٹلی کو دس سال کا عرصہ لگا۔ قتل و خونریزی کے بعد بھی جنون تک جن لوگوں کو قتل کیا جاتا رہا اوسطاً ان کی تعداد روزانہ ۳۰۰ تھی جو مرسے بچ کر بھاگنا چاہتے تھے انھیں ہوائی جہازوں کے ذریعہ آسمان چٹانوں پر پھینکا گیا۔ اور صحرائے افریقہ میں جہاں دور دور تک پانی نہیں ملتا جو چند کنوئیں تھے انھیں سیمنٹ سے بند کر دیا گیا اور وہ ظلم توڑے گئے کہ سائرنیکا کی نصف آبادی ختم ہو گئی۔ ان مظالم کی یاد عرب باشندوں کے دماغوں میں آج تک موجود ہے۔ ہم سے کہا جاتا ہے کہ اب اور جب میں بہت فرق ہے پہلے اٹلی وہاں ایک پامال کرنے والی نوآبادیاتی طاقت کی حیثیت سے تھا اور اب اسے اقوام متحدہ کی نگرانی میں صرف متولی کی حیثیت سے بلایا جا رہا ہے۔ لیکن اس سے وہ لوگ کوئی فرق محسوس نہیں کر سکتے جن کے دلوں میں اٹلی کے لرزہ خیز مظالم کی یاد آج بھی تازہ ہے۔

سر ظفر اللہ خان نے کہا کہ اٹلی کی حکومت کسی طرح بھی وہاں قائم کی گئی تو مستوطنوں اور دیسی باشندوں کے مابین سخت جدوجہد شروع ہو جائے گی اس کی تولیت کے مقابلے میں اقوام متحدہ پر ایکسپنارل اسکیم کی حقیقت سے بحث کرتے ہوئے سر ظفر اللہ نے کہا کہ وہ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ اس سے لیبیا کی وحدت قائم رہے گی۔

ہماری پبلک زندگی اور معاشرت میں

(بقیہ سلسلہ صفحہ اول)

جیسا کہ یہ وابستہ ہمہ گیر حلقت کا ہے۔ جمہوری طریقہ تو یہ ہے کہ لوگ جبر کے تحت نہیں بلکہ اپنی آزادی مرضی سے دوسروں کے ساتھ اشتراک عمل و تعاون کی یہ اسپرٹ انسان کے باطن میں ہوتی ہے۔ اس کو باہر سے داخل نہیں کیا جا سکتا۔ ضرورت ہے کہ اس اسپرٹ کو ابھارا جائے اور تعلیم کے ذریعہ یہ ابھر سکتی ہے۔ اگر افراد کی توجہ ملک کی عظمت سے ہٹا کر ان کی آزادی کی طرف منعطف کرائی جائے تو ہماری پبلک زندگی کی سطح بلند ہو سکتی ہے۔ یہ مقصد اقتدار سے نہیں بلکہ تعلیم سے حاصل ہو سکتا ہے۔ (انڈین پنڈنٹ انڈیا)

لیبیا کے عرب اٹلی والوں کے مظالم کو نہیں بھول سکتے

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۷)

اس سلسلہ میں آپ نے فیضان (لیبیا کا شرقی صوبہ) کی مثال دی اور کہا کہ فرض کیجئے، اگر اس علاقہ کو فرانس کی تولیت میں دے دیا جائے تو اس کی اقتصادی حالت تباہ ہو جائے گی۔ کیونکہ فرانس کی تولیت میں دے دینے سے بہت سے فرانسیسی فیضان میں جا کر آباد ہو سکتے ہیں اور عسکری استحکام کے پیش نظر فیضان کو سوسینیا اور الجزائر کے ساتھ ضم کیا جا سکتا ہے۔ ساؤتھ ہرن سنٹیا کے وزیر مالیہ نے اس تجویز کی حمایت کی۔ سائوتی نیکا کو برطانیہ اور طرابلس اور شمالی لیبیا کو اٹلی کی تولیت میں دے دیا جائے۔ ایری ٹیریا کے متعلق اس نے حبشہ کے مطالبہ کی حمایت کی۔ (اس مرحلہ پر اجلاس لنچ کے لئے ملتوی ہو گیا)۔

اشتہار بجریہ زائد نظامت ضلع گلبرگہ مستقر تانڈور۔ واقع ۱۴ ارخورداد ۱۳۵۵ف نمبر مقدمہ ۴ بابتہ ۱۳۵۵ف باجلاس مولوی خواجہ محمد الیاس قریشی زائد ناظم۔ بیکما بنام ایرما وغیرہ۔ دعویٰ: عطائے صداقت نامہ وراثت۔ ہرگاہ مقدمہ مندرجہ صدر میں ذریعہ ہذا عوام الناس کو مطلع کیا جاتا ہے کہ مسماۃ بیکما زوجہ راما ساکن بازار پیٹھ تانڈور نے درخواست عطائے صداقت نامہ وراثت عدالت ہذا میں پیش کی ہے۔ جس کی سماعت کے لئے تاریخ پیشی ۲۰ ارخورداد ۱۳۵۵ف روز پنجشنبہ مقرر کی گئی ہے لہذا اس صداقت نامہ وراثت کے عطاء کرنے کے متعلق کسی کو عذر ہو تو وہ تاریخ مقرر صدر پر اصالتاً یا وکالتاً حاضر عدالت ہو کر عذر پیش کریں بصورت دیگر حسب ضابطہ کارروائی ہوگی۔ پھر کوئی عذر قابل قبول نہ ہوگا۔ آج بتاریخ ۱۴ ارخورداد ۱۳۵۵ف میری دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔ فقط

شرعدستخط — سیفہ دار صاحب عدالت

شرعدستخط — منتظم صاحب عدالت ضلع

اشتہار بجریہ عدالت خفیفہ بلدہ اجلاس نظامت اول صیغہ ابتدائی۔ واقع ۲ ارخورداد ۱۳۵۵ف۔ نمبر مقدمہ ۲۵۱ بابتہ ۱۳۵۵ف رجسٹر نمبر (۱) باجلاس عالیجناب سید محمد تقی صاحب بلگرامی۔ دی کمرشیل کارپوریشن مدعی۔ بنام مس مس حاجی حبیب اختر موسیٰ مدعی علیہ۔ دعویٰ: (الف روپیہ) بنام مس مس حاجی حبیب احمد موسیٰ جنرل اینڈ کمیشن ایجنٹ ساکن جام باغ بلدہ ملک نمبر (۳۲۵) مقدمہ صدر میں تمہارے نام سمن بتقرر تاریخات ۸ ار فروردی ۱۳۵۵ف و ۲۹ ار اردی بہشت ۱۳۵۵ف و ۲ ارخورداد ۱۳۵۵ف جاری کئے گئے جو پتہ نہ چلنے کی وجہ سے بلا تعمیل واپس آئے منجانب مدعی درخواست طبع اشتہار پیش ہوئی ہے۔ منظوری درخواست مدعی ذریعہ ہذا تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ بتاریخ ۲۸ ارخورداد ۱۳۵۵ف یوم پنجشنبہ وقت ۱۰ ساعت اصالتاً یا وکالتاً حاضر ہو کر پیروی کرو بصورت عدم حاضری کارروائی ضابطہ عمل میں آئے گی۔ فقط

شرعدستخط — سیفہ دار صاحب عدالت

شرعدستخط — منتظم صاحب عدالت

اشتہار بجریہ عدالت خفیفہ بلدہ سرکار عالی اجلاس اول خفیفہ ابتدائی۔ واقع ۱۲ ارخورداد ۱۳۵۵ف۔ نمبر مقدمہ (۴۴) ۱۳۵۵ف رجسٹر نمبر (۲) اجلاس عالیجناب سید محمد تقی صاحب بلگرامی ناظم اول۔ مدعی۔ عذر دار ونکٹ راؤ بنام مدعی علیہم۔ طرفثانیان انت راؤ وغیرہ۔ دعویٰ: عذرداری واگزاشت مال بنام ۲ مسی ۔ پی شاستری ولد سدپو پرائٹر اسوسی ایشن اینڈ کمپنی قوم برہمن عمر ۲۵ سال ساکن منکور ڈیال جوز خور بنہ کراس روڈ شورومر نمبر (۱۸) ۔ مقدمہ صدر میں تمہارے نام نوٹس بتقرر تاریخات ۸ ار اردی بہشت ۱۳۵۵ف و ۱۱ ارخورداد ۱۳۵۵ف جاری کئے گئے جو پتہ نہ چلنے کی وجہ تعمیل نہیں پائے منجانب مدعی درخواست طبع اشتہار پیش ہوئی ہے۔ منظوری درخواست ذریعہ ہذا تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ بتاریخ ۱۷ امرداد ۱۳۵۵ف یوم دوشنبہ وقت ۱۰ ساعت مقدمہ ہذا میں پیروی وجوابدہی کرو بصورت عدم حاضری کارروائی ضابطہ عمل میں آئے گی۔ فقط

شرعدستخط — منتظم صاحب عدالت